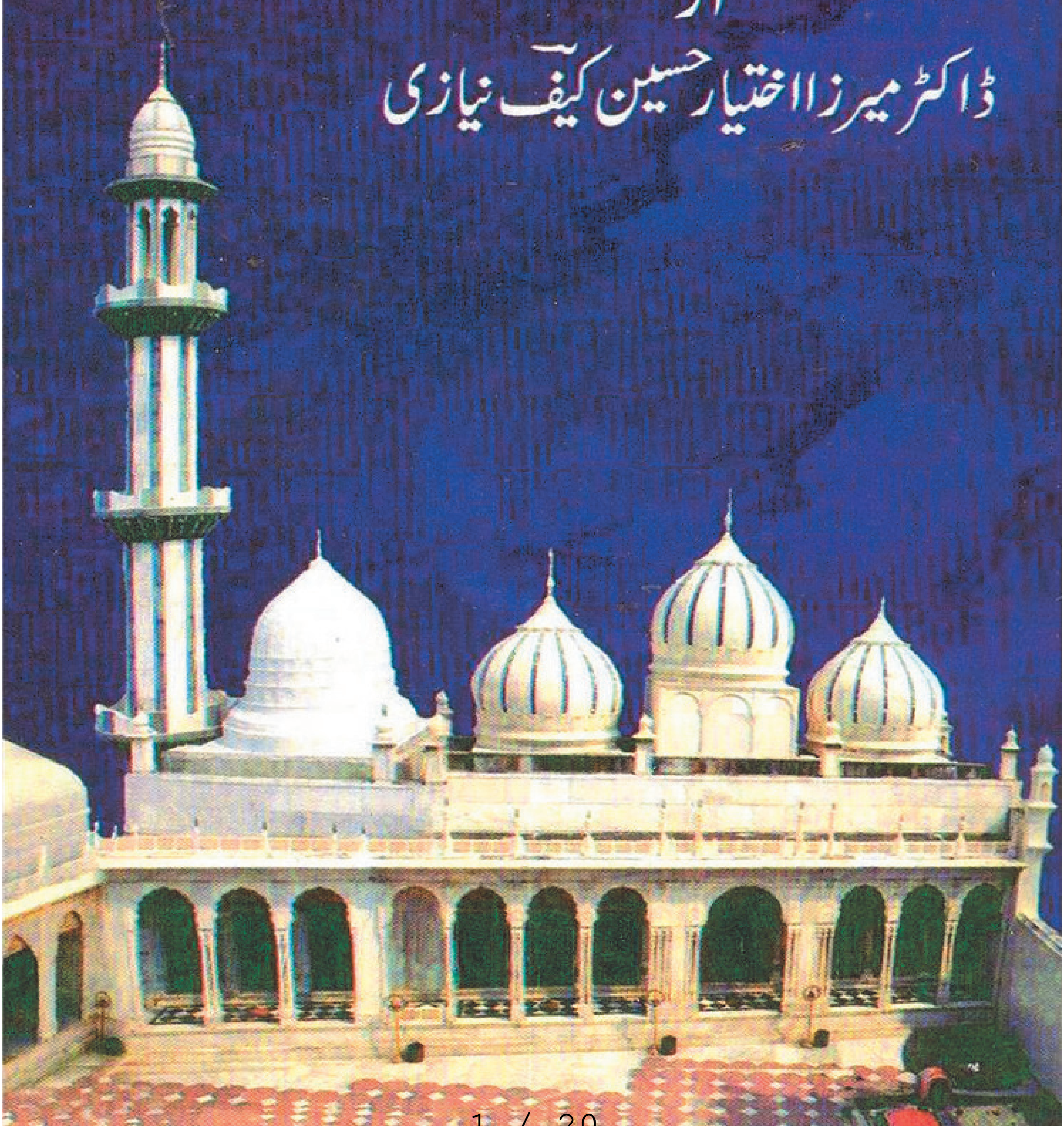
شاہ نیازؒ کا فارسی کلام ۔ ترجمہ وتشریحات

از

ڈاکٹر میرزا اختیار حسین کیفؔ نیازی



شاہ نیازؒ کا فارسی کلام ۔ ترجمہ و تشریحات

کلام بلاغت نظام (فارسی) قطب عالم مدار اعظم
حضرت نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد علوی بریلوی قدس سرہ العزیز
قادری چشتی فخری نظامی صابری سہروردی نقشبندی (قدیمہ)

☆☆☆

ترجمہ و تشریح

از

ڈاکٹر میرزا اختیار حسین کیفؔ نیازی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب .... شاہ نیازؒ کا فارسی کلام- ترجمہ وتشریحات

اشاعت اول .... ۲۰۰۳ء - ۱۴۲۳ھ

اشاعت دوم .... ۲۰۰۷ء-۱۴۲۸ھ (ضروری ترامیم کے ساتھ)

تعداد ۵۰۰

کمپوزنگ .... احمد گرافکس، کراچی

طباعت .... ویلکم بک پورٹ، کراچی

سرِ ورق .... جمیل الدین قریشی

ہدیہ .... [illegible] روپے

ملنے کا پتہ .... (۱) ویلکم بک پورٹ، اردو بازار، کراچی۔

(۲) مکتبۂ رضویہ، گاڑی کھاتہ، کراچی۔

(۳) نظامی کتب خانہ، بابا صاحبؒ بازار، پاک پتن۔

نیاز از شورِ تو حالم شد است افسانۂ عالم　　نمودی فاش اے نادان بخلق اسرار پنہانم

نیاز تیرے شور مچانے سے میرا حال افسانۂ عالم ہو گیا ہے (کہ اب ہر شخص جاننے لگا ہے اور ہر زبان پر میرا افسانہ ہے)۔ اے نادان میرے چھپے ہوئے رازوں کو تُو نے دنیا پر ظاہر کر دیا ہے۔

غزل

عاشقِ بیخبر منم من نمنم نہ من منم　　عارف باہنر منم من نمنم نہ من منم

میں بے خبر عاشق ہوں۔ میَں میَں نہیں ہوں نہ میَں میَں ہوں۔ میں با ہنر عارف (خدا کو پہچاننے والا) ہوں۔ میَں میَں نہیں ہوں نہ میَں میَں ہوں۔ (الفاظ کی تکرار سے غزل میں ایک حسن پیدا ہو گیا ہے لیکن مراد یہی ہے کہ ''میں نہیں ہوں''۔)

سوز دل و جگر منم وحشتِ پردہ در منم　　دانش بخیہ گر منم من نمنم نہ من منم

دل اور جگر کا میں سوز ہوں۔ راز ظاہر کرنے والی وحشت ہوں۔ بخیہ گر کی عقل و دانائی ہوں۔ میَں میَں نہیں ہوں نہ میَں میَں ہوں۔ (پردہ دریدن: بھید ظاہر کرنا)

امن منم خطر منم زہر منم شکر منم　　نفع منم ضرر منم من نمنم نہ من منم

امن میَں ہوں۔ خطرہ میَں ہوں۔ زہر میَں ہوں۔ شکر میَں ہوں۔ نفع میَں ہوں۔ نقصان میَں ہوں۔ میَں میَں نہیں ہوں نہ میَں میَں ہوں۔

شام منم سحر منم شمس منم قمر منم　　در ہمہ جلوہ گر منم من نمنم نہ من منم

شام میَں ہوں۔ صبح میَں ہوں۔ سورج میَں ہوں۔ چاند میَں ہوں۔ تمام چیزوں میں میَں جلوہ گر ہوں۔ میَں میَں نہیں ہوں نہ میَں میَں ہوں۔

اینہمہ بحر و بر منم و نیہمہ خشک و تر منم　　قطرہ منم گہر منم من نمنم نہ من منم

یہ سب بحر و بر میَں ہوں۔ یہ تمام خشک و تر میَں ہوں۔ قطرہ میَں ہوں۔ موتی میَں ہوں۔ میَں میَں نہیں ہوں نہ میَں میَں ہوں۔

شاہد دلربا منم مطربِ خوشنوا منم　　سمع منم بصر منم من نمنم نہ من منم

محبوبِ دلربا میَں ہوں۔ خوشنوا مطرب (خوش الحان گانے والا) میَں ہوں۔ سمع (سننے کی قوت) میَں ہوں۔ بصر (دیکھنے کی قوت) میَں ہوں۔ میَں میَں نہیں ہوں نہ میَں میَں ہوں۔

حسن و جمالِ حق منم عز و جلال حق منم　　حشمت و جاہ و فر منم من نمنم نہ من منم

حق کا حسن و جمال بھی مَیں ہوں اور اس کا عز و جلال بھی مَیں ہوں۔ اس کی شان و شوکت مَیں ہوں۔ مَیں مَیں نہیں ہوں نہ مَیں مَیں ہوں۔

طوطی صد زباں منم بلبل نغمہ خواں منم　　روضہ منم شجر منم من نمنم نہ من منم

سینکڑوں بولیاں بولنے والا طوطی مَیں ہوں۔ نغمے سنانے والی بلبل بھی مَیں ہوں۔ گلشن مَیں ہوں۔ درخت مَیں ہوں۔ مَیں مَیں نہیں ہوں نہ مَیں مَیں ہوں۔

صوفی با صفا منم بیخود و با خدا منم　　اہلِ دل و نظر منم من نمنم نہ من منم

صوفیِ با صفا مَیں ہوں۔ بے خود اور با خدا مَیں ہوں۔ اہلِ دل و نظر مَیں ہوں۔ مَیں مَیں نہیں ہوں نہ مَیں مَیں ہوں۔

آدمؑ و شیثؑ و نوحؑ و ہودؑ غیر حقیقتم نبود　　صاحب ہر عصر منم من نمنم نہ من منم

آدمؑ، شیثؑ، نوحؑ، ہودؑ اور تمام پیغمبر میری حقیقت کے علاوہ کوئی اور نہیں تھے (سب میری ہی حقیقت تھے) ہر زمانہ کا مالک مَیں ہوں۔ مَیں مَیں نہیں ہوں نہ مَیں مَیں ہوں۔

موسیٰ جلوہ بین منم قلۂ فلسطین منم　　نور منم شرر منم من نمنم نہ من منم

جلوہ دیکھنے والا موسیٰ مَیں ہوں۔ فلسطین کی پہاڑی مَیں ہوں (جہاں کوہ طور پر حضرت موسیٰ نے جلوہ خداوندی دیکھا تھا)۔ نور مَیں ہوں۔ چنگاری مَیں ہوں (یعنی جلوہ دیکھنے والا۔ وہ پہاڑی جہاں جلوہ دیکھا گیا اور خود وہ جلوہ سب مَیں ہوں)۔ مَیں مَیں نہیں ہوں نہ مَیں مَیں ہوں۔

عیسیٰ مریمی منم احمدؐ ہاشمی منم　　حیدرؓ شیر نر منم من نمنم نہ من منم

عیسیٰ ابن مریم مَیں ہوں۔ احمد ہاشمیؐ (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم) بھی مَیں ہوں۔ حیدر کرار (علیؓ) مَیں ہوں۔ مَیں مَیں نہیں ہوں نہ مَیں مَیں ہوں۔

راز و نیاز خود منم سوز و گداز خود منم　　کردہ قدم ز سر منم من نمنم نہ من منم

راز و نیاز بھی میں خود ہوں۔ سوز گداز میں خود ہوں۔ سر سے پیر تک میں ہوں۔ مَیں مَیں نہیں ہوں نہ مَیں مَیں ہوں۔

(یہ غزل اور اس کے بعد والی غزل ''ہمہ اوست'' کا کھلا ہوا بیان ہے۔ ''مَیں مَیں نہیں ہوں نہ مَیں مَیں ہوں''۔ کا مطلب ہی یہ ہے کہ ''میں'' جو کچھ بظاہر نظر آ رہا ہوں وہ نہیں

ہوں۔ تعینات نے میری ھئیت بدل دی ہے۔ کہیں عاشق ہوں کہیں معشوق، کہیں نفع ہوں کہیں نقصان، کہیں صبح ہوں کہیں شام، کہیں درخت ہوں تو کہیں تخم، کہیں ولی ہوں کہیں نبی۔ یہ سب تعینات کے کرشمے ہیں۔ ورنہ میری اصل اور میری حقیقت حق ہے۔ ہر تعین ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے اسلئے ہر جگہ شکل بدلی ہوئی ہوتی ہے۔ لیکن ان تعینات کے پردہ میں حق کو دیکھنا اصل معرفت ہے۔ جو کچھ ہمیں بظاہر نظر آ رہا ہے وہ سراسر وہم اور فریب نظر ہے۔ سراب کو پانی سمجھ لینا یا ہر چمکتی ہوئی چیز کو سونا سمجھ لینا۔ آسمان کو چھت کی طرح سمجھنا۔ چاند ستاروں کو چمکتے ہوئے اجسام سمجھنا یہ سب ہماری نظروں کا دھوکا ہے۔ ان کی اصل حقیقت کو پانا ہی بالغ نظری اور بصیرت ہے۔ حباب و امواج کو دیکھ کر سمندر کا، برگ و بار کو دیکھ کر تخم کا تصور ضروری ہے کہ یہ اشکال حقیقی نہیں ہیں۔ یہ اشیاء سمندر اور تخم سے الگ نہیں ہیں بلکہ بصیرت ہو تو عین وہی ہے۔ مقطع سے پہلے کے تین اشعار کا خلاصہ یہ ہے کہ پیغمبروں میں تمام پیغمبر مختلف اوقات میں مبعوث ہوتے رہے اور مختلف احکام حق کی طرف سے لاتے رہے جو اقتضائے زمانہ کے مناسب تھے۔ لیکن تمام انبیاء کی اصل درحقیقت ''حقیقت محمدیؐ'' کا ظہور ہے جو مختلف اشکال میں ہوتا رہا۔ کبھی آدم، کبھی شیث، کبھی نوح، کبھی ہود، کبھی عیسیٰ، کبھی موسیٰ لیکن ان سب کی اصل ''حقیقت محمدیؐ'' ہے۔ اور ''حقیقت محمدی'' ذات کا ظہور بالذات ہے)۔

غزل

من نمنم نہ من منم من نمنم نہ من منم — رفتہ ز خویشتن منم من نہ منم نہ من منم

میں میں نہیں ہوں نہ میں میں ہوں۔ میں میں نہیں نہ میں میں ہوں۔ جو خود اپنے سے چلا گیا وہ میں ہوں۔ میں میں نہیں ہوں نہ میں میں ہوں۔

متن متین حق منم شرح مبین حق منم — سِرّ منم علن منم من نمنم نہ من منم

اللہ کی سنجیدہ کتاب کی اصل عبارت بھی میں ہوں اور اس کتاب کی واضح تفسیر بھی میں ہوں۔ چھپا ہوا راز بھی میں ہوں اور اس کا اظہار بھی میں ہوں۔ میں میں نہیں ہوں نہ میں میں ہوں۔

کعبہ منم حرم منم دیر منم صنم منم — مومن و برہمن منم من نمنم نہ من منم

کعبہ بھی میں ہوں۔ حرم بھی میں ہوں۔ بتخانہ بھی میں ہوں۔ بُت بھی میں ہوں۔ مومن و

برھمن بھی مَیں ہوں۔ میں مَیں نہیں ہوں نہ میں مَیں ہوں۔

عشق منم جناں منم درد منم زبان منم　　　روح منم بدن منم من نمنم نہ من منم

عشق بھی مَیں ہوں۔ جنت کے باغات بھی مَیں ہوں۔ درد مَیں ہوں۔ زبان مَیں ہوں۔ روح مَیں ہوں۔ جسم مَیں ہوں۔ میں مَیں نہیں ہوں نہ میں مَیں ہوں۔

دوحہ منم چمن منم لالہ و نسترن منم　　　ہم گل و ہم سمن منم من نمنم نہ من منم

درخت مَیں ہوں۔ چمن مَیں ہوں۔ لالہ و نسترن بھی مَیں ہوں۔ گلاب بھی مَیں ہوں۔ چنبیلی بھی مَیں ہوں۔ (حقیقت یہ ہے) کہ میں مَیں نہیں ہوں نہ میں مَیں ہوں۔

بلبل داستان منم طوطی صدزبان منم　　　گوش منم سخن منم من نمنم نہ من منم

داستان کی بلبل مَیں ہوں۔ سینکڑوں زبان بولنے والا طوطی مَیں ہوں۔ خود کان ہوں اور خود ہی بات ہوں۔ میں مَیں نہیں ہوں نہ میں مَیں ہوں۔

عجز و نیاز ہم منم خوبی و ناز ہم منم　　　حسن منم محن منم من نہ منم نہ من منم

عجز و نیاز بھی مَیں ہوں۔ خوبی و ناز بھی مَیں ہوں۔ میں خود ہی حسن ہوں۔ خود ہی تکلیف و مشقت ہوں۔ میں مَیں نہیں ہوں نہ میں مَیں ہوں۔

غزل

چون یار بہ بزم آمدہ پوشیدہ نقابم　　　پس کس نبود حاجب او غیر حجابم

میری ہستی کی نقاب پہن کر میرا محبوب جب میری بزم میں آیا تو درمیان کوئی حجاب نہیں تھا۔ حجاب تھا تو خود میرا وجود۔

(یعنی اپنے اور محبوب کے درمیان سب سے بڑا حجاب خود اپنی خودی ہے۔ یہ حجاب اٹھ جائے یعنی اپنا وجود مٹ جائے تو محبوب نظر کے سامنے ہے)۔

حرفیست جہان از ورق دفتر علمم　　　من نسخۂ جامع عجبے طرفہ کتابم

یہ دنیا میرے دفتر علم کے اوراق میں محض ایک حرف کی حیثیت رکھتی ہے میں ایک جامع نسخہ ایک

عجیب وغریب کتاب ہوں۔ (کلمات کی تشریح مثنوی کے شعر ۲۸ کی شرح میں گزر چکی ہے۔)
سیّدنا امام حسینؑ نے ''الم۔ ذالک الکتاب'' کی شرح میں کتاب سے مراد انسان کامل لیا ہے۔ کلمات کا مجموعہ کتاب ہے۔ اعیانِ ممکنات کلمات ہیں یعنی کائنات کی ہر شے ایک کلمہ ہے۔ گویا تمام موجودات کلام الٰہی ہے۔ جو مخلوقات کے رنگ میں نمودار ہوتے ہیں۔ انسانِ کامل تمام موجودات کا خلاصہ ہے۔ باعتبار اپنی عقل وروح کے ''اُم الکتاب'' ہے۔ انسانِ کامل ہی صحیفۂ مکرمہ ہے اور یہی وہ کتاب مطہر ہے جس سے کوئی چیز نہیں چھوٹی ہے۔

مرا بہ ہیچ کتابے مکن حوالہ دگر
کہ من حقیقت خود را کتاب می بینم

(مجھے کسی دوسری کتاب کا حوالہ نہ دے کہ میں خود اپنی حقیقت کو کتاب دیکھتا ہوں)
بقول صاحبِ ''سردلبراں'' کتاب وجود مطلق کو کہتے ہیں کہ جسے کبھی عدم نہیں۔ وجود اس میں اس طرح داخل ہے جیسے حروف دوات میں داخل تو ہیں مگر کسی حرف کا اطلاق دوات کی سیاہی پر نہیں کیا جاسکتا۔

دریائے محیط ست وجودم بہ حقیقت　　　در صورتِ خود گرچہ بتمثال سرابم

حقیقت یہ ہے کہ میرا وجود ایک بے کراں سمندر ہے۔ حالانکہ بظاہر صورت مثل سراب ہوں۔

عالم شود ارمست ز چشم من سرمست　　　یاران چہ عجب ہست کہ من کہنہ شرابم

دنیا اگر میری نشیلی آنکھوں سے مست ہو جاتی ہے تو لوگوں کو تعجب کیوں ہے میں پرانی شراب ہوں۔

سلطانِ جہاں ہستم و آزاد زہر قید　　　گو شکل گدایانہ بہ قیدِ گل و آبم

میں دنیا کا بادشاہ ہوں اور ہر قید و بند سے آزاد ہوں۔ حالانکہ بظاہر فقیروں کی سی شکل ہے اور آب وگل کی قید میں ہوں (مٹی اور پانی سے بنا ہوں)۔

چون مہر من از مطلع غیب آمدہ بیرون　　　ذرّات جہاں جملہ عیاں گشت ز تابم

جب غیب کے مطلع سے میرا سورج (میں خود جو سورج جیسا ہوں)۔ برآمد ہوا تو میری چمک دمک سے تمام دنیا کے ذرات روشن اور ظاہر ہو گئے۔

ای مردہ دلان عین حیات ابدیم　　　دے تشنہ لبان سوئے من آئید کہ آبم

اے مُردہ دلو میں عین حیات ابدی ہوں۔ تمام پیاسے لوگ میرے پاس آئیں (اور اپنی پیاس بجھائیں) کہ میں پانی ہوں۔

از کشف و کرامات ملا فید کہ اینہا افتادہ براہند بہ تعدادِ حسابم
یہ کشف و کرامات ہے کہ حساب میں کتنے ہی اعداد ہوں لیکن میرے حساب میں ایک ہی کا عدد آتا ہے۔

خود عاشق خود ہستم و مشتاق لقایم در شکلِ نیاز آمدہ ام باتپ و تابم
میں خود اپنا عاشق ہوں اور اپنی شکل کا مشتاق ہوں۔ نیاز کی شکل میں بہت شان و شوکت اور چمک دمک کے ساتھ آیا ہوں۔

غزل

باہمہ خو بروئیم عاشقِ روے کیستم رستہ زدام جسم و جان بستۂ موے کیستم
باوجود اپنی خوبصورتی کے میں کس کے چہرہ کا عاشق ہوں۔ اپنی جان و جسم کی قید سے آزاد ہو کر کس کی زلفوں کی زنجیر میں بندھا ہوا ہوں۔

دردلم این تپیدگی و زخودم ایں رمیدگی ساکنِ کنج بیخودی بسمل خوے کیستم
اپنے دل میں اتنی تپش کے ساتھ اور خود اپنے سے چھٹکارا حاصل کر کے میں گوشہ بے خودی میں (بے خودی کی حالت میں) کس کی اداؤں کا زخمی ہوں۔

جلوہ گرم بہر جہت نعت منست ہر صفت سجدہ کنان بجان و دل جانب و سوے کیستم
میں ہی ہر طرف جلوہ گر ہوں اور ہر تعریف ا میری ہی نعت ہے۔ پھر جان و دل کے ساتھ یعنی اتنی خشوع و خضوع کے ساتھ کس کی طرف رخ کر کے سجدے کرتا رہتا ہوں۔

مست زبوے من جہان درپس نکہتم روان والہ و مست درپئے نکہت و بوے کیستم
پورا عالم میری خوشبو سے مست ہے اور میری خوشبو کے پیچھے بھاگ رہا ہے لیکن میں خود کس کی خوشبو اور نکہت سے مست ہوں اور اس پر والہ و شیدا ہوں۔

باہمہ دلبری و ناز شیوہ گرفتہ ام نیاز خاک نمط بزیر پا در رہ و کوے کیستم
اے نیاز باوجود اس کے کہ دلبری اور ناز میرا طرز حیات ہے۔ پھر میں کس کے راستہ میں اور کس کے کوچہ میں خاک کی طرح پاؤں کے نیچے رہتا ہوں۔ (نمط معنی مثل)

۱۔ اللہ تعالٰی سورہ فاتحہ میں ارشاد فرماتا ہے ”الحمد للّٰہ رب العالمین“۔ ”الحمد للّٰہ“ کے معنی ہیں سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں۔ یعنی حمد و ستائش کی تمام صورتیں محض اللہ کیلئے ہیں۔ کوئی تعریف غیر اللہ کیلئے منسوب ہو ہی نہیں سکتی۔ اس کو اصطلاح میں ”حصر“ کہتے ہیں۔ کسی کی بھی تعریف کی جائے تو وہ تعریف بالواسطہ اللہ ہی کی تعریف ہوگی۔ وہ تعریف حضور سرور کائناتؐ کی ہو۔ کسی نبی کی ہو کسی ولی کی ہو۔ حتیٰ کہ کسی انسان۔ فرشتہ۔ شجر۔ حجر۔ حیوانات کی تعریف بھی اللہ ہی کی تعریف ہے کیونکہ ہر معرف (جس کی تعریف کی جائے) اور ہر مذکور (جس کا ذکر کیا جائے) کی صورت پر اللہ ہی کا ظہور ہے یعنی ہر شے کی صورت اور معنی اللہ ہی ہے۔

قرآن پاک کا ارشاد ہے ”فاینما تولوا فثم وجہ اللہ“ یعنی تم جس طرف دیکھو، اللہ ہی کا چہرہ ہے۔ جب ہر طرف ہر جہت اللہ ہی کا چہرہ ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ سجدہ کیلئے کس طرف رخ کروں کیونکہ سجدہ اللہ ہی کو ہوتا ہے اور اللہ کسی ایک جگہ محصور نہیں ہے۔ مزید نکتہ اس میں یہ ہے کہ اس ذات کا تعین میں خود ہوں۔ اس میں فنا ہو کر میں خود ”وہ“ ہو گیا ہوں۔ اب ہر طرف میرا ہی جلوہ ہے اور ہر نعت میری ہی نعت ہے۔ جب میں خود وہ ہوں تو سجدہ کسے کروں۔ یعنی مجھے خود ہی خود کو سجدہ کرنا چاہئے۔

اس پوری غزل میں ”کیستم“ ردیف کی وجہ سے یہی خیال کارفرما ہے۔

غزل

اس غزل کی ردیف چونکہ منفرد ہے اور کسی شاعر نے اس مشکل ردیف یعنی ”عنقائے قاف قدم“ میں کوئی شعر نہیں کہا اسلئے ان الفاظ کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ یہ چونکہ صوفیا کی خصوصی اصطلاحات ہیں اسلئے عام فہم نہیں۔ اس غزل میں اور اس کے بعد والی غزلوں میں جس کی ردیف ”بودستم“ پھر اے طالباں اے طالباں من باشما ہر جاستم، ہے مقامِ احدیت کا زیادہ تر ذکر ہے۔ یہ غزلیں اعلٰی شاعری کی بہت عمدہ مثالیں ہیں اور تعلیمات باطنی سے پُر ہیں۔ صاحب حال اصحاب سنتے ہیں اور سَر دھنتے ہیں۔ صاحب ”مخزن الخزائن“ اس غزل کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

”دراصل اس غزل میں زیادہ تر مقام احدیت کا بیان ہے لیکن یہی شانِ وصل بھی

ہے جس کی وضاحت مقطع سے ہو رہی ہے۔ صوفیانہ لٹریچر میں اس غزل کا جواب نہیں مل سکتا۔ کیا بلحاظ صنائع صوری کیا بلحاظ بلاغت معنوی یہ اشعار اپنا جواب آپ ہیں"۔

پہلے الفاظ کی تشریح کی جاتی ہے۔ بعد میں اشعار کا مطلب بیان کیا جائے گا۔

عنقا: ایک فرضی پرندہ جس کا دنیا میں کوئی وجود نہیں۔ اس کو "سی مرغ" بھی کہتے ہیں۔ کنایۃً اس کا مطلب نایاب شے کا ہے۔ بے نظیر چیز۔ سختی اور مصیبت کیلئے بھی کہا جاتا ہے۔ اسی سے فعل استعمال ہوتا ہے "عنقا ہونا"۔ یعنی کسی چیز کا نادر و نایاب و کمیاب ہونا۔ جیسے کہا جائے فلاں چیز بازار میں آج کل عنقا ہے یعنی نایاب ہے۔

اسی مناسبت سے طریقت میں "عنقا" سے مراد ہیولیٰ لئے جاتے ہیں کیونکہ وہ دیکھنے میں نہیں آتا۔ ہیولیٰ یعنی ہر چیز کا مادّہ اور اصل۔ گویا عنقا سے مراد شے کی حقیقت ہے۔

قاف: قاف سے مراد "حقیقت انسانی" ہے۔ "کوہ قاف" ایک پہاڑ ہے جو ایشیائے کوچک میں واقع ہے۔ پرانے زمانہ میں یہ خیال تھا کہ وہ اپنی بزرگی اور برکات کے لحاظ سے سارے عالم پر محیط ہے۔ کوہ قاف کی پریاں کہانیوں کا موضوع ہوتی تھیں۔ اسے "سی مرغ" کا مسکن کہا جاتا تھا۔ بالکل اسی طرح "حقیقت انسانی" بھی جملہ حقائق عالم کی جامع ہے اور بقول "من عرف نفسہ فقد عرف ربہٗ"۔ انسان جب حقیقت انسانی کو سمجھ لیتا ہے تو وہ ذاتِ مطلق کو بھی پہچاننے لگتا ہے۔ "سی مرغ" سے کنایہ ذاتِ مطلق کا ہے۔ کیونکہ قلبِ مومن جو حقیقتِ انسانی کا کوہ قاف ہے۔ سی مرغ یعنی ذاتِ مطلق کا عرش ہے۔ "قلب المومنین عرش اللہ تعالیٰ" حدیث پاک ہے۔ حضرت احمد جام کا ایک شعر ہے۔

سیمرغ قاف قربم از دام کون جستہ　　　طاؤس باغ عرشم از آشیاں پریدہ

(قاف قرب کا سیمرغ ہوں جو کائنات کے جال سے بھاگا ہوا ہے۔ عرش کے باغ کا مور ہوں جو اپنے آشیاں سے اُڑ چکا ہے)

قدس: پاک۔ مقدس۔ متبرک۔ پاکیزگی۔ تقویٰ۔ طہارت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح "عنقائے قاف قدسم" کا مطلب ہوا۔ "میں حقیقتِ انسانی کی اصل ہوں۔" "حقیقتِ انسانی" کی اصل کیا ہے؟ یہ دراصل مظہر ہے اسم "اللہ" کی۔ جس طرح اسم اللہ جملہ اسمائے الٰہیہ کا جامع ہے اسی طرح انسان جملہ صفاتِ الٰہیہ کا جامع ہے۔ آدم باعتبار اپنے ظاہر کے خلق کی صورت اور باعتبار اپنے باطن کے حق کی صورت ہے گویا عالم دراصل حقیقتِ انسانی کا ظہور ہے جو حق کی صورت ہے۔

ان الفاظ یعنی "عنقائے قاف قدس" کے معانی سمجھ لینے کے بعد اشعار کے اس سلسلہ سے معانی بیان کئے جاتے ہیں۔ یہ ردیف یعنی "عنقائے قاف قدسم" بہت بلند اور بامعنی مطالب کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔

بیچون و بیچگونم عنقائے قاف قدسم　　　بی شبہ و بے نمونم عنقائے قاف قدسم

میں بے چون و بے چگون ہوں۔ مقدس قاف کا عنقا ہوں۔ میرے ہونے میں یا میرے وجود میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ میں مقدس قاف کا عنقا ہوں۔

از وحدتم معرا وز کثرتم مبرا　　　پاک از ہمہ شیونم عنقائے قاف قدسم

میں (اس مقام پر) وحدت سے معریٰ اور کثرت سے مبرا ہوں اور تمام شیون (شیون۔ شان کی جمع) سے پاک ہوں۔ میں مقدس قاف کا عنقا ہوں۔

بیرنگیست رنگم رنگست عار و ننگم　　　دانی کہ من چگونم عنقائے قاف قدسم

میرا رنگ بے رنگی ہے۔ رنگ میرے لئے عیب اور باعث شرم ہے۔ تو جانتا ہے کہ میں کیسا ہوں ("دانی" نزدیکی کو بھی کہتے ہیں)۔ میں مقدس قاف کا عنقا ہوں۔

از خلق ما سوایم و ز امر ماورائیم　　　برتر ز کاف و نونم عنقائے قاف قدسم

میں "خلق" سے ما سوا اور "امر" سے ماورا ہوں۔ "کاف ونون" سے میں برتر ہوں۔ میں

مقدس قاف کا عنقا ہوں۔

(عالم خلق اور عالم امر: عالم دو ہیں، عالمِ خلق اور عالمِ امر۔ جیسا کہ اللہ پاک کا قول ہے۔ "الا لہ الخلق والامر"۔ عالم خلق قابل تقسیم ہے۔ اس کا تعلق انسان کے ظاہر سے ہے یعنی اجسامِ و اجساد، شکلیں اور صورتیں جو محسوس کی جا سکتی ہیں۔ دیکھی جا سکتی ہیں۔ وہ عالم جو موجد کے امر سے دفعتاً بے مادّہ وحدت کے موجود ہو گیا، عالمِ امر ہے۔ جو مادّہ اور مدت کے ساتھ مقید ہے، وہ عالمِ خلق ہے۔ عالمِ امر کا تعلق باطن اور روح سے ہے۔ اشیا کی ظاہری حیثیت سے ہٹ کر اشیا کی حقیقت عالمِ امر سے متعلق ہے۔

کاف اور نون: اس سے مراد حق کا ارادہ "کُن" ہے۔ جو لفظ "کُن" کے کاف اور نون کے درمیان محصور ہے۔

اللہ تعالیٰ کا امر ہی موجودات کی علت ہے۔ جو چیز نہ تھی، پھر ہو گئی۔ وہ امرِ الٰہی سے ہوتی ہے۔ وہ کسی چیز کی ایجاد کا ارادہ فرماتا ہے تو حکم دیتا ہے "کُن" یعنی ہو جا۔ اور وہ چیز موجود ہو جاتی ہے۔ اس کا ارادہ ہی اس کا "امر" ہے اور اس کا امر ہی کُن کا کہنا ہے اور اس کا کُن کہنا چیز کا ہو جانا ہے۔

کُن کا تعلق "فعل و انفعال" سے ہے۔ حضرت ذوقی شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں جب عقل کو خدا کی وحدانیت کا ادراک ہوا تو اس نے دو نظریں کی۔ ایک کمال ابداع (یعنی پیدا کرنے کا کمال) کی جانب اور دوسری نقصِ حدوث (پیدا شدہ کے نقصان) کی جانب (انفعال: معنی الگ ہونا۔ جدا ہونا)۔ ان دونوں نظروں کے بہم واقع ہونے سے فعل و انفعال ظاہر ہوئے۔ کیونکہ نقص و کمال ہی فعل و انفعال پر دلالت کرتے ہیں۔ یہی راز لفظ "کُن" میں مخفی ہے۔ "کاف" اس کمال کا محل ہے جو "فعل" میں رکھا ہوا ہے اور "نون" اس نقصان کا محل ہے جو انفعال میں رکھا ہوا ہے۔ یہی فعل و انفعال سب سے پہلی دو اصلیں جن سے تمام عالم وجود میں آیا۔ "فعل" خدائے عظیم و قدیر کی قدرت سے پیدا ہوا اور انفعال حادث کے قبول سے (سرِ دلبراں)۔

ن:۔ تمام صُورِ کونیہ میں حق تعالیٰ کی تجلی اسم ظاہر کے تحت میں یہ ایک اسم الٰہی ہے۔ مرتبہ ظاہر علم۔ علم اجمالی۔ بحرِ امکان جو اسمائے کونی کا منشا ہے اور جملہ اسمائے کونی پر محیط ہے۔ ن مثل بحر کے ہے اور حقائق کونی مثل ان مچھلیوں کے ہیں، جنھوں نے اس بحر سے صورت

پکڑی۔ ''کُن'' کے تحت جو کچھ ہے سب ممکنات میں شامل ہے اسلئے بحرِ امکان ممکنات غیر متناہی کا وہ اجتماع ہے جسکی جانب قرآن پاک میں ''ن'' سے اشارہ کیا گیا ہے:

''ن ۔ والقلم وما یسطرون'' (تسرِ دلبراں)

شعر میں مقام احدیت کا ذکر ہے۔ اس مقام پر امر۔ خلق یا ارادہ الٰہی یا کُن کچھ نہیں ہے۔ وہ سب سے مبرا اور منزہ ہے۔

بی نام و بی نشانم بی شرح و بی بیانم　　　از عقل بس برونم عنقائے قاف قدسم

میں بے نام و بے نشان ہوں۔ یہاں نہ میری شرح کی جا سکتی ہے۔ نہ میرا بیان کیا جا سکتا ہے۔ عقل و فہم سے ماورا ہوں۔ میں مقدس قاف کا عنقا ہوں۔

ہر چند در ظہورم نور ظلام و نورم　　　در پردۂ کمونم عنقائے قاف قدسم

حالانکہ میں ظہور کی حالت میں ہوں لیکن تاریکی کا نور بھی میں ہوں اور (روشنی) کا نور بھی میں ہوں (تاریکی اور روشنی دونوں میری شانیں ہیں)۔ میں پوشیدگی کے پردہ میں ہوں۔ میں مقدس قاف کا عنقا ہوں (کمون معنی پوشیدہ رہنا)۔

صدر ہمہ صدورم از وہم خلق دورم　　　خود باطن البطونم عنقائے قاف قدسم

میں تمام صدروں کا صدر (تمام اعلیٰ سے اعلیٰ) ہوں اور خلق کے خیال و وہم سے دور ہوں۔ خود بطون کا باطن ہوں۔ مقدس قاف کا عنقا ہوں۔

ہر قبلہ ہست رویم ہر سجدہ ہست سویم　　　معبود عابدونم عنقائے قاف قدم

میرا چہرہ ہر ایک کا قبلہ ہے اور ہر سجدہ میری ہی جانب ہوتا ہے۔ میں خود ہی معبود ہوں اور خود ہی عابد ہوں۔ مقدس قاف کا عنقا ہوں۔

سلطانِ بے نیازم گو صورت نیازم　　　نشناسیم کہ چونم عنقائے قاف قدسم

میں بے نیاز سلطان ہوں گو کہ نیاز کی صورت ہوں میں نہیں پہچانتا کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں۔ میں مقدس قاف کا عنقا ہوں۔

غزل

من آن نورم کہ اندر لا مکان موجود بودستم ۔۔۔ باشراق خودم خود شاہد و مشہود بودستم

میں وہ نور ہوں کہ لا مکاں میں بھی موجود تھا۔ اپنی ہی روشنی میں خود ہی شاہد (دیکھنے والا) ہوں اور خود ہی مشہود (دیکھا جانے والا) ہوں۔

(اشراق: طلوع آفتاب۔ روشن ہونا۔ حکمت۔ روشن ضمیری۔ تصفیہ باطن)

نہ از عالم بیانے بودونے آدم نشانے داشت ۔۔۔ کہ از نظارۂ حُسن خودم خشنود بودستم

نہ عالم کی زبان پر میرا کوئی ذکر تھا۔ نہ کسی شخص کو میرا پتہ تھا۔ بس میں خود اپنے حسن کی دید میں خوش تھا۔

بسیطم آن قدر شد منبسط از حب پیدائی ۔۔۔ کہ با یک نقطگی صد ہا خط ممدود بودستم

میں اس قدر وسیع و کشادہ ہوا کہ اپنے اظہار کی خواہش اور محبت میں سب کو اپنے احاطہ میں لے لیا۔ صرف ایک نقطہ سے صد ہا بڑے سے بڑے حروف بن گئے۔

(پہلے کسی شعر کی تشریح میں نقطہ کی اہمیت بیان کی گئی تھی۔ نقطہ عبارت کا وہ حصہ ہے جس میں کمی بیشی نہ ہو سکے جس کے اجزا نہ ہو سکیں۔ نقطہ خواہ بالذات نظر نہ آئے لیکن ہر حرف نقاط کے تسلسل سے بنتا ہے۔ ایک نقطہ دوسرے نقطہ سے واصل ہوتا جاتا ہے۔ اس طرح ایک حرف وجود میں آتا ہے۔ پھر انہیں حروف سے الفاظ، الفاظ سے جملے اور جملوں سے ایک ضخیم کتاب بنتی ہے۔ یعنی کوئی کتاب نقطہ سے باہر نہیں۔ دنیا میں کتابوں کا شمار کیا جائے تو گنتی کا اندازہ بھی مشکل ہے۔ لیکن غور کیا جائے تو یہ تمام ذخیرہ ایک نقطہ کی جادوگری ہے۔ اسی طرح وہ نقطہ حقیقی ذات مطلق اپنی جگہ ہے لیکن اسماء و صفات۔ افعال و شیون کا ظہور بے شمار شکلوں میں ہو رہا ہے۔ جو ''کچھ نہیں'' وہی نقطہ ہے اور جو نقطہ ہے وہ کچھ نہیں۔ یعنی جو ''کچھ نہیں'' ہے ''وہی ہے'' اور جو ''کچھ ہے'' وہی ''کچھ نہیں'' ہے۔ وہی موجود۔ وہی معدوم۔ وہی معلوم وہی مجہول۔ وہی مثبت۔ وہی منفی۔ وہی کتاب۔ وہی کاتب۔ وہی ارض و سماوات کا نور۔ وہی جملہ موجودات کا ظہور۔ وہی ظاہر۔ وہی باطن۔ باوجود ھمہ ظہور مستور۔ باوجود نیست ہست۔ جہان دیکھو جس طرف نظر کرو وہی نقطہ وجود عیاں و نہاں، ظاہر و مستور ہے)۔

ہیولائے دو عالم مادہ ارواح و اشباحم　　حریرِ جسم و جان راہچو تاروپود بودستم

دو عالم کی اصل۔ مادّہ۔ ارواح۔ اجسام سب میں ہوں۔ جسم و جان کے ریشمیں کپڑے کا تانا بانا میں ہوں۔ (اشباح = جسم۔ بدن) + ہیولا = ہر چیز کا مادہ اور اصل

زبہرِ رفع شرک ودفعِ وہم ہستی غیرے　　بہ شکل انبیاؤ اولیا موجود بودستم

شرک کے رفع کرنے کیلئے اور غیریتِ ہستی کے وہم کو دور کرنے کیلئے میں انبیا اور اولیا کی شکل میں ہمیشہ موجود رہا ہوں۔

لباسِ بو البشر پوشیدہ مسجود ملک گشتم　　بتصویرِ محمدؐ حامد و محمود بودستم

آدم کا لباس پہن کر فرشتوں کا مسجود بنا۔ میں ہی محمدؐ۔ حامد اور محمود کی شکل میں موجود رہا۔

گہے ادریسؑ گاہے شیثؑ گاہے نوحؑ گہ یونسؑ　　گہے یوسفؑ گہے یعقوبؑ گاہے ہودؑ بودستم

کبھی ادریسؑ، کبھی شیثؑ، کبھی نوحؑ، کبھی یونسؑ، کبھی یوسفؑ، کبھی یعقوبؑ، کبھی ہودؑ کی شکل میں رہا۔

گہے صالحؑ گہے ابراہیمؑ گہے اسحٰقؑ گہے یحییٰؑ　　گہے موسیٰؑ گہے عیسیٰؑ گہے داؤدؑ بودستم

کبھی صالحؑ، کبھی ابراہیمؑ، کبھی اسحٰقؑ، کبھی یحییٰؑ، کبھی موسیٰؑ، کبھی عیسیٰؑ، کبھی داؤدؑ کی شکل میں رہا۔

(اس میں یعنی تمام انبیاء کے شمار میں ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ دراصل نبوت اور رسالت ایک ہی ہے۔ اہلِ دنیا کی استعدادات کے مطابق انبیاء اپنے اپنے وقت میں آتے رہے۔ لیکن یہ دراصل رسالت محمدیؐ ہی ہے جس کا اختتام حضور ختمی مرتبت ﷺ پر ہوا)۔

برائے یک کساں امروز نقد وقت شاں گشتم　　زبہر دیگراں روز جزا موعود بودستم

کچھ لوگوں کے لئے میں نقد کی صورت میں وقت ہوں (یعنی جس کا صلہ فوراً نقد کی طرح مل جاتا ہے) اور بعض لوگوں کیلئے روز جزا (قیامت) کا وعدہ ہوں (جس کا صلہ روزِ حشر ملے گا)۔

بدریائے حقیقت بہر غواصانِ دریا دل　　بہر عہدے وعصرے گوہر مقصود بودستم

دریا دل پیراکوں کے لئے دریائے حقیقت میں ہر زمانہ اور ہر عہد میں گوہر مقصود رہا ہوں (حقیقت کے سمندر میں موتی رہا ہوں)۔

نیازؔ اندر حقیقت لایزال ولم یزل ہستم　　مگر با این تعین نیست وہم نابود بودستم

نیازؔ حقیقت میں تو میں لایزال ولم یزل ہوں (یعنی کبھی فنا ہونے والا نہیں ہوں) لیکن اس تعین

(یعنی بشریت کے تعین) میں ''نیست'' ہوں اور فانی ہوں (بلحاظ اصل لا فانی لیکن بحیثیت تعین فانی ہوں)۔

غزل

ای طالباں ای طالباں من باشا ہر جا ستم　　ہم جلوہ گر در دید ہا ہم مضمر دلہا ستم

اے طلب کرنے والو۔ اے طلب کرنے والو میں تمہارے ساتھ ہر جگہ ہوں۔ تمام آنکھوں میں ظاہر بھی ہوں اور تمام دلوں میں چھپا ہوا بھی ہوں۔

(قرآن پاک کا ارشاد ہے'' وھو معکم اینما کنتم''۔ میں تمہارے ساتھ ہوں تم جہاں کہیں بھی ہو۔ '' ھو الظاہر والباطن'' بھی اس کا ارشاد ہے یعنی میں ظاہر بھی ہوں اور باطن بھی ہوں۔ ''وفی انفسکم افلا تبصرون'' یعنی میں تمہارے نفس کے اندر ہوں مگر تم نہیں دیکھتے، بھی اس کا قول ہے)۔

ایں دوری و مہجوریم از وہم و پندار شماست　　در نسبتِ خود با شما دریا و موج آساستم

میری دوری اور جدائی محض تمہارا وہم اور خیال ہے۔ ورنہ میری نسبت تمہارے ساتھ ایسی ہے جیسے سمندر اور موج۔ (سمندر اور اس کی لہروں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ لہر مٹتی ہے تو وہ عین سمندر ہو جاتی ہے)۔

ثابت ترم من از ہمہ بے آنکہ اثباتم کنند　　بے آنکہ استثنا کنند از جملہ مستثنا ستم

میں تمام (موجودات) میں سب سے زیادہ قائم اور برقرار رہنے والا ہوں۔ ان سے بھی زیادہ جو لوگ اسے تسلیم نہیں کرتے اور جو لوگ اس کا استثنا نہیں کرتے، ان سب سے میں مستثنیٰ ہوں۔

برعکس رسم ایں جہاں در پردہ میباشم عیاں　　چند انکہ بی پردہ شوم در پردۂ اخفاستم

اس دنیا کے رسم و رواج کے برعکس میں پردہ میں رہنے کے باوجود عیاں رہتا ہوں اور جب میں بے پردہ ہوتا ہوں تو اخفا کے پردوں میں چھپا رہتا ہوں (اخفا: معنی پوشیدہ۔ چھپا ہوا)۔

ہم صورتِ نا سوتیم ہم معنی لاہو تیم!　　پنہاں تر از پنہان وہم پیدا تر از پیدا ستم

میں (ظاہر میں) خلق کی صورت ہوں لیکن باطن میں حق ہوں۔ پنہاں سے زیادہ پنہاں اور ظاہر سے زیادہ ظاہر ہوں۔

(عالم ناسوت یعنی عالم اجسام۔ یہ مادی دنیا جو ہمیں نظر آتی ہے۔ لاہوت : مرتبہ ذات۔ حقیقت وحدت جو جمیع اشیاء میں جاری و ساری ہے)۔

در جلوۂ فرق آمدم از خلوت جمع شیون　　　از انبساطِ نور خود بزم جہان آراستم

مختلف شانوں کی ''جمع'' کی خلوت سے میں ''فرق'' کی جلوت میں آیا ہوں۔ اپنے نور کے پھیلاؤ سے بزم جہاں کو آراستہ کیا ہے۔ (فرق اور جمع تصوف کی اصطلاحات ہیں۔ یہ دونوں اصطلاحات ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ''جمع'' کا مطلب ہے کہ سالک صرف حق کا مشاہدہ کرے، خلق کو نہ دیکھے۔ ''فرق'' یہ ہے کہ خلق ہی کو دیکھے، حق کو نہ دیکھے)۔

ہر چند نبود غیر من در عالم نو و کہن　　　در ذاتِ بحتِ خویشتن بر رتبۂ علیا ستم

ہر چند کہ اس نئی اور پرانی دنیا میں میرا غیر کوئی نہیں ہے لیکن خود اپنی ذات بحت کی حیثیت میں میں بہت بلند مرتبہ پر ہوں۔

(بحت : معنی خالص۔ خالص ذات سے مراد ہے جہاں ذات تمام افعال و صفات سے مبرا ہے۔ جہاں وہ بے رنگ بے چون و چگون ہے)۔

با حسن خود در باختم من نرد عشقِ و عاشقی　　　ہم لیلیٰ و مجنوں منم ہم وامق و عذرا ستم

میں عشق و عاشقی کے کھیل میں باوجود اتنے حسن و جمال کے ہار گیا (خود اپنے حسن سے ہار گیا)۔ میں لیلیٰ و مجنوں بھی ہوں اور وامق و عذرا بھی ہوں۔

(درباختن : ہار جانا + نرد : شطرنج کا مقابلہ)

گہ شیخم اندر خانقہ گہ رندم اندر میکدہ　　　گہ سبحہ و سجادہ ام گاہے می و مینا ستم

کبھی خانقاہ کے اندر عابد و زاہد (شیخ) ہوتا ہوں تو کبھی میکدہ میں رند ہوتا ہوں۔ کبھی تسبیح اور مصلّٰی ہوتا ہوں، کبھی شراب و مینا ہوتا ہوں۔

ہم اول و آخر منم ہم ظاہر و باطن منم　　　ہم عالم دنیا منم ہم نشاء عقبا ستم

میں اول بھی ہوں۔ آخر بھی ہوں۔ ظاہر بھی ہوں۔ باطن بھی ہوں۔ میں اس جہان کی دنیا بھی ہوں اور آخرت کی دنیا بھی ہوں۔ (نشاء = دنیا۔ جہاں)

گاہے نیاز ایمان من گہ بی نیازی شان من　　　این ہر دوی زیبد بمن ہم بندہ ہم مولا ستم

کبھی نیاز میرا ایمان ہوتا ہے تو کبھی بے نیازی میری شان ہوتی ہے۔ یہ دونوں چیزیں مجھے

زیب دیتی ہیں کیونکہ میں ہی بندہ ہوں اور میں ہی مولا ہوں۔

(جیسا کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے۔ ''میم'' پر ختم ہونے والی یہ تین چار غزلیں مقام ''احدیت'' کی نشاندہی کرتی ہیں۔ یہ غزلیں اعلیٰ شاعری کی عمدہ مثالیں ہیں۔ محاسنِ شعری کے ساتھ معنویت کے لحاظ سے بلاغت کا بے مثال نمونہ ہیں۔ مقام احدیت مقام لاتعین ہے۔ اسے ہاہوت بھی کہتے ہیں۔ یہاں وہ تمام قیود وتعینات سے منزّہ اور صفات و اعتبارات سے مقدس محض ذات صرفہ وسادہ ہے۔ حتیٰ کہ قیدِ اطلاق سے بھی مبّرا ہے۔

ان اشعار میں حضور قبلہؒ نے قرب حق کا بھی بیان کیا ہے۔ قرب بموجب احادیث دوطرح کا ہے۔ (۱) قرب نوافل (۲) قرب فرائض۔ قرب نوافل میں صفات بشریہ پر اوصاف الٰھیہ کا غلبہ ہوتا ہے اور صفات بشریہ زائل ہو جاتی ہیں۔ یہ قرب ایک حدیث سے ثابت ہے جو متفق علیہ حدیث ہے۔ حدیث طویل ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بندہ جب نوافل سے میرا قرب چاہتا ہے تو میں اس کو دوست بنالیتا ہوں پھر میں اس کی سماعت، بصارت، ہاتھ، پاؤں، زبان سب ہو جاتا ہوں۔ جس سے وہ سب کام کرتا ہے۔ ''قرب فرائض'' ذات میں عبد کی فنائیت کلی کو کہتے ہیں۔ اتنی فنائیت ہو جاتی ہے کہ سوائے ذات کے کچھ باقی نہیں رہتا۔ اسکے متعلق بھی احادیث اور قرآنی آیات موجود ہیں۔

فنائیت سالک کی منزل نہیں ہوتی بلکہ اصل منزل ''بقا'' ہے۔ بقا کو حضرت مجدد الف ثانیؒ عبدیت کا نام دیتے ہیں جبکہ حضرت شیخ اکبرؒ اسے ''جمع الجمع'' یا فرق بعد الجمع کہتے ہیں۔ حضور قبلہؒ نے اپنے کئی اشعار میں ''فرق'' اور جمع کا ذکر کیا ہے۔ یہی عبدیت کا مقام ہے جسے قرآن پاک نے ''عبدہ'' کہہ کر حضور سرور کائنات ﷺ کے اس قرب ذاتی اور انتہائے ارتباط کا اظہار کیا ہے جو آپ کو ذات احدیت سے ہے۔ تفصیل کا یہ موقع نہیں لیکن اس ضمن میں چند اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں جن کا جاننا اس مکتبہ فکر کے طلبہ کیلئے ضروری ہے۔ فنا فی اللہ۔ فناء الفنا۔ بقا باللہ۔ فنا فی اللہ میں استغراق فی الذات کی وجہ سے سالک خودکو بلکہ ساری کائنات کو بھول جاتا ہے۔ فناء الفنا میں محویت کی شدت کی وجہ سے وہ فنا کو بھی بھول جاتا ہے۔ لیکن اسلام میں فنا آخری منزل نہیں ہے۔ مغلوب الحال ہونا ظرف کی بلندی نہیں ہے۔ فنا کے استغراق سے نکل کر بقا کی ہشیاری میں آنا اور تمام کاروبار دنیاوی اور عبادات و ریاضات میں مصروف ہونا اصل بلندی ہے۔ یہی مقام عبدیت، جمع الجمع، مقام صحو اور مقام تمکین کہلاتا ہے۔